رجسٹرڈ ایل نمبر ۴۳۵

قُل اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○

عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا

اب گیا وقت خزاں آئے ہیں پھل لانے کے دن

الفضل

دُنیا میں ایک نبی آیا۔ پر دنیا نے اسکو قبول نہ کیا۔ لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اسکی سچائی ظاہر کر دیگا۔ (الہام حضرت مسیح موعود)

مضامین بنام ایڈیٹر

کاروباری امور کے متعلق خط و کتابت بنام مینیجر ہو

مَیں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔ (الہام حضرت مسیح موعود)

جلد ۷ | مورخہ ۸ دسمبر سنہ ۱۹۱۹ء | دوشنبہ | مطابق ۱۴ ربیع الاول سنہ ۱۳۳۸ھ | نمبر ۴۶

فہرست مضامین

مدینۃ المسیح ۔ نامہ لنڈن
اخبار احمدیہ
مسلمانوں کو ہمدردانہ مشورہ
کیا جرمنی پھر جنگ کرے گا
والئے دکن اور دعوئی ہمار
مذہبی پیشواؤں سے درخواست
طوفان بنگال سے کسقدر تباہی ہوئی
پنجاب کے امیدواران سول سروس کا انتخاب
آریہ سماج کی وضع شریعت
کیا سلمان گندا کرنا فرمان کہلاتی ہیں
خطبہ جمعہ (آپس میں محبت کرو)
ایک غیر احمدی کا خط
تصور و شعور
مظفر نگر میں امرتسری مکذب

مدینۃ المسیح

اُمید ہے یہ خبر نہایت خوشی اور مسرت سے سُنی جائیگی۔ کہ مسٹر ساگر چند بیرسٹرایٹ لاء جو ولایت سے آگئے ہیں۔

۶۔ دسمبر ۳ بجے کے قریب قادیان تشریف لائے۔ کئی ایک اصحاب نے قصبہ سے باہر ان کا استقبال کیا۔ اور انہوں نے مسجد مبارک میں حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ سے ملاقات کی۔ حضور نے خیر و عافیت دریافت کرنے کے بعد ایک مختصر سی تقریر میں نصیحت فرمائی کہ ہندوستان میں اگر آپ کو اپنے اعتقادات کے متعلق از سر نو تحقیقات کرنی چاہیئے۔ یہ تقریر انشاء اللہ العزیز آیندہ درج اخبار کی جائیگی۔ مسٹر ساگر چند اُسی دن واپس لاہور چلے گئے ؛

نامہ لنڈن

(نوشتہ جناب مولوی عبد الرحیم صاحب نیر)

۳۰۔ اکتوبر ۱۹۱۹ء

احباب سے ملاقات

ہفتہ زیر رپورٹ میں کئی غیر احمدی اصحاب سے ملاقات ہوئی۔ اور سلسلہ عالیہ کی تبلیغ کو موقعہ ملا۔ ان میں سے بعض کے اسماء ذیل اسماء قابل ذکر ہیں :۔

(۱) مس ہاروے جو ایک تعلیم یافتہ ذہین نیک لڑکی ہے۔

(۲) مسز بکین حنفیہ جو تعلیم یافتہ دس سال سے مسلمان نیک طبیعت نرم ہے۔ اور احمدیت سے بہت محبت رکھتی ہے

(۳) مسز زاہدہ پرل جو نہایت ہمدرد سلیم الطبع پُرانی مسلمہ خاتون ہے۔ اور احمدیت کے سوال میں دلچسپی لے رہی ہے۔

(۴) مسٹر فیتھ کے چھوٹے بھائی صاحب جو فرانس سے ابھی واپس آئے ہیں۔ اور اپنے بھائی کو مسلمان پاکر احمدیت کی طرف متوجہ ہیں ؛

(۵) مسز رابنس۔ جو ایک پُرانے خیالات سے انس رکھنے والی ہے۔ اور احمدیت کا مطالعہ کر رہی ہے۔

(۶) ڈاکٹر سلیمان جو قدیمی صاحب سے تعلق دوستانہ رکھتے اور جنوبی افریقہ کے آباد کاروں میں سے ہیں۔ احمدیت کی طرف مائل ہیں۔

(۷) شمس العلماء مولوی کمال الدین احمد۔ ایم۔ اے۔

(۸) آنریبل مسٹر لکھوبار۔ ایٹ۔ لاء۔ ممبر کونسل برٹش گائنا۔

(۹) مسٹر چورلی آیا بارسٹرایٹ لاء۔

(۱۰) مسٹر خالد شلڈریک۔

درخواست دُعا

مولوی کمال الدین احمد۔ ایم۔ اے۔ مسز بکین حنفیہ۔ مسٹر علی محمد۔ مسٹر احمد دین کار۔ کیتھرین فاطمہ درخواست دعا کرتے ہیں ؛

لیکچرس

۲۶۔ اکتوبر کو احمدیہ ہال میں چودہری فتح محمد سیال۔ ایم۔ اے کا لیکچر "قبولیت دعائے" پر دیا

پر ہوا۔ حاضری خاصی تھی۔ کئی ایک مرد و خواتین شریف لنڈن کی طرف سے قریباً ۱۲ فی کس کرایہ خرچ کر کے آئے ہوئے تھے۔ تقریر کے بعد اخویم محمد سلمان فنیتھ نے نہایت عمدہ و برجستہ الفاظ میں دعا کی اغراض اور اہمیت بیان کی۔ اور ان کے بعد اس خاکسار نے بتایا۔ کہ قبولیت دعا کا سب سے بڑا اور ضروری طریق یہ ہے کہ پاکبازوں کی صحبت اختیار کی جاوے۔ اللہ کی آواز پر لبیک کہے اور ایمان لائے۔ دعا قرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔ اور یہ ذریعہ بہترین طور پر مقربین الٰہی کے ساتھ ہونے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں خدا نے حضرت احمد نبی اللہ کو مبعوث کیا ہے۔ مبارک ہیں وہ جو اس پر ایمان لائیں اور بدقسمت ہیں۔ وہ جو اسے ترک کریں۔ کیونکہ اس کے سوا سب تاریکی ہے ؎

دو تقریریں

مسٹر سگر جینے نے ہیسٹنگز میں دو تقریریں کیں۔ اور بعض سعید روحوں کو حضرت احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانے کی تحریک ہوئی۔ ایسٹ دار کی تقاریر کے بعد احمدیہ مسجد میں ابھی [illegible] نے مس لوئیسا ولسن کا نکاح مسٹر حمید سے پڑھا۔ خطبہ نکاح انگریزی زبان میں تھا۔ اور حاضرین پر اسلامی سادگی اور اغراض نکاح کا بہت اچھا اثر ہوا۔ حاضرین اکثر مسیحی و یہودی تھے

حضرت مفتی صاحب

حضرت مفتی صاحب حضرت امام کے حکم کی تعمیل میں نائیجیریا کے لئے تیار ہیں۔ جہاز نہ ملنے کے باعث ٹھہرے ہوئے ہیں اور برابر تبلیغی کام میں مدد دیتے ہیں۔

متفرق

نو مسلم مرد و خواتین نمازیں سیکھ رہے ہیں۔ اور بعض نو احمدی اللہ کے فضل سے خاص جوش رکھتے ہیں۔ اخویم محمد سلمان فنیتھ ارادہ رکھتے ہیں کہ ہائیڈ پارک میں لیکچروں کا سلسلہ شروع کریں۔ اور آئندہ ہفتہ ان کی تقریر "اسلام کی خوبیوں" پر ہوگی۔

تقسیم لٹریچر

ہز رائل ہائی نس امیر فیصل اور ہز اکسلنسی ایم وینزیلوس۔ ہز مجسٹی شاہ ہسپانیہ اور ہز اکسلنسی جنرل ڈائر کو قرآن کریم اور سلسلہ عالیہ کا لٹریچر بھیجا گیا ہے۔ ع

غیر مبائعین کا خلیفہ

جن لوگوں نے مولوی محمد علی صاحب کا "اعلان" پڑھا ہے۔ کہ ان کا کام صرف اشاعت اسلام ہے۔ اور جو لوگ یہ فرمایا کرتے ہیں۔ کہ مبائعین اور غیر مبائعین میں سیاسی اختلاف کوئی نہیں۔ وہ ذیل کا خط دلچسپی سے ملاحظہ فرمائینگے اور اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ کہ غیر مبائعین نے حضرت مسیح موعود کے خلیفہ کو چھوڑ کر کس کو اپنا خلیفہ بنایا ہے۔ اور کس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کو فراموش کر کے سیاسی رو میں بہ کر قادیان سے دور جا رہے ہیں۔ جناب مولوی صدرالدین صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"۱۷۔ اکتوبر بروز جمعہ تمام ہندوستان میں

ہمارے خلیفہ

کے لئے جلسہ ہائے دعا کئے جائینگے۔ اور اس شال کی لنڈن میں (کیمڈن ہل روڈ ناٹنگ ہل گیٹ میں) تقلید کی جائیگی۔ آپ سے التماس ہے۔ کہ ضرور تشریف لاویں ؎

دستخط صدرالدین - ۱۶۔ اکتوبر ۱۹۱۹ء

اخبار احمدیہ

ایک پیر صاحب کی جھوٹی کرامت

ایک احمدی بھائی منشی یوسف علی صاحب ملازم محکمہ نہر ہوجن لکھتے ہیں کہ:۔ "پیر نور شاہ کا ایک مرید جو محکمہ نہر ضلع شاہ پور میں ملازم ہے۔ عوام الناس میں اپنے پیر صاحب کا یہ معجزہ بڑے زور سے مشہور کر رہا ہے۔ کہ ایک جگہ ہمارے پیر صاحب سے احمدیوں نے مباحثہ کرنا چاہا اس وقت ہمارے پیر صاحب نے سیفی پڑھی۔ اس کا یہ اثر ہوا۔ کہ اچانک غیب سے ایک سیف ظاہر ہو گئی جس سے تمام احمدی بھاگ گئے۔ اور توبہ کرنے لگے"۔ جب اس کی تحقیق کی گئی۔ کہ کس سرزمین میں مباحثہ ہوا۔ اور کون احمدی مباحث تھے۔ اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔

؎ یہ صوفیوں کی کند سیفیں اس فوج کا کیا بگاڑ سکتی ہیں۔ جو خدائی فرشتوں کی حفاظت میں ہو۔ کیا ان پیروں کو اب تک یہ وہم چلا جاتا ہے۔ کہ ان کی سیفیں کچھ کام کر سکتی ہیں۔ در انحالیکہ مدت ہوئی اعلان ہو چکا ہے۔

"کھل گئی ساری حقیقت سیف کی
کم کرو اب ناز اس مردار سے"

منڈی سلانوالی کے نواح کے احمدی مطلع ہوں

منشی منظور احمد صاحب مالک انگریزی دواخانہ سلانوالی لائن سرگودھا لکھتے ہیں۔ کہ مجھے اس مقام پر آئے ہوئے ایک سال سے زائد عرصہ گذرتا ہے۔ مگر اس طویل مدت میں مجھے یہاں کے کوئی احمدی بھائی نہیں ملے۔ حالانکہ اس نواح میں کئی احمدی بھائی رہتے ہونگے۔ میں اس اعلان کے ذریعہ درخواست کرتا ہوں۔ کہ احمدی دوست آتے جاتے ضرور ملا کریں۔ اور اپنے پتوں سے مجھ کو اطلاع دیں۔ تاکہ آپس کی ملاقات کے جو فوائد ہیں۔ ان سے متمتع ہو سکیں

ضرورت

منشی غلام نبی صاحب احمدی ورنیکلر مدرس زمیندار ہائی سکول گوجرات لکھتے ہیں۔ کہ وہ امسال منشی فاضل کے امتحان کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ان کو کتاب تحفۃ العراقین مصنفہ خاقانی کی ضرورت ہے۔ جو انہوں نے ہر چند تلاش کی۔ مگر نہ ملی۔ اگر کوئی دوست ان کو دے سکیں تو ثواب ہوگا۔ مناسب قیمت بھی دے سکتے ہیں ؎

درخواست دعا

منشی محمد حسین صاحب احمدی نقل نویس تحصیل بٹالہ کا لڑکا محمد سلیمان اور منشی خلیل الرحمن صاحب سامانہ کا چھوٹا بھائی حفیظ الرحمن اور شیخ فضل حق صاحب احمدی سکرٹری انجمن احمدیہ بھیرہ وار بیمار ہیں۔ ان کی صحت کے لئے دعا کی جاوے ؎

نیز محمد حامل صاحب بھاگلپوری مع اہل و عیال یہاں آ بسے ہیں۔ انکی رفع مشکلات کے لئے۔ اور پیر غلام غوث صاحب ساکن گولیکی بیمار اور بیکار ہیں۔ ان سب کے لئے دعا کی جاوے ؎

نماز جنازہ

برادر امام الدین صاحب لوہار ساکن سعد اللہ پور کا نوجوان لڑکا احمد دین ۱۷۔ نومبر کو اور منشی محمد امیر صاحب جو مخلص احمدی تھے۔ یکم دسمبر کو اور مولانا مولوی نبی بخش صاحب ساکن قصور جنہوں نے غالباً ۱۸۹۷ء میں بیعت کی تھی۔ حضرت اقدس سے اخلاص میں بہت ترقی کئے ہوئے تھے ۲۵ نومبر کو فوت ہو گئے۔ اور برادر عبدالواحد صاحب ساکن گوجرہ کی والدہ جنہوں نے حضرت اقدس کی ۱۸۹۹ء میں بیعت کی تھی۔ اور بہت دیندار اور مخلص خاتون تھیں۔ ۲۵ نومبر کو انتقال کر گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ احباب مرحومین کا جنازہ غائب پڑھیں ؎

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الفضل

قادیان دار الامان - ۸ - دسمبر ۱۹۱۹ء

مُسلمانوں کو ہمدردانہ مشورہ

حال میں "آل انڈیا خلافت کانفرنس" کے نام سے مُسلمانوں کا جو جلسہ دہلی میں ہوا ہے۔ اس کی کارروائی ہر سمجھدار اور عاقبت اندیش انسان کے لئے نہایت افسوسناک ہوگی۔ اس کانفرنس کی غرض حکیم اجمل خان صاحب پریذیڈنٹ استقبالیہ کمیٹی نے اپنی تقریر میں یہ بتلائی کہ "اسلام کی حالت روز بروز خراب ہوتی جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے اب آپ صاحبوں سے مشورہ لیا جائے گا۔ کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے" لیکن اسکی بجائے اگر یہ کہا جاتا۔ تو صحیح ہوتا۔ کہ مسلمانوں کی حالت روز بروز خراب ہوتی جا رہی ہے۔ اور اسی کی اصلاح کے لئے مشورہ کیا جانا نہایت ضروری تھا۔ مگر تعجب ہے۔ کہ اس کی طرف خیال بھی نہیں کیا گیا۔ اور جوش و خروش میں کچھ ایسی باتیں تجویز کرلی گئی ہیں۔ جن کا نتیجہ سوائے نقصان کے اور کچھ نہیں نکل سکتا۔ سب سے اول جشن صلح سے علیحدگی کے متعلق ریزولیوشن پاس کیا گیا ہے۔ اور اس کی تائید میں تقریر کرتے ہوئے ایک مولوی صاحب نے اپنی تیزی طبع کا یہاں تک ثبوت دیا ہے۔ کہ یہ جشن فتح میں شرکت مذہب اسلام کے خلاف ہے۔ جو لوگ اس میں شریک ہونگے۔ دائرہ اسلام سے خارج سمجھے جائینگے۔ ان کا بائیکاٹ کر دیا جائیگا۔" سمجھ میں نہیں آتا۔ وہ اسلام جو نہایت زور کے ساتھ اپنے پیرؤوں کو حکام کی اطاعت اور فرمانبرداری کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ اسلام جو نہایت تاکید کے ساتھ مُسلمانوں کو اگر ان پر ایک حبشی بھی حکمران ہو۔ اس کے احکام ماننے کی تلقین کرتا ہے۔ اسی اسلام کے دائرہ سے وہ لوگ کیونکر خارج ہو سکتے ہیں۔ جو اپنی گورنمنٹ کے حکم کے مطابق جشن صلح میں حصہ لینگے۔ اگر اسلام کی تعلیم اور بانیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات کو دیکھا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ لوگ جو اپنے حکام کے حکم کی تعمیل نہیں کرینگے۔ وہ قابل مواخذہ ہونگے۔ نہ کہ وہ جو تعمیل کرینگے۔ باقی رہا جوش و خروش۔ اگر اس کے مقابلہ میں اسلام کی پرواہ نہ ہو۔ تو جو جی میں آئے کہا جا سکتا ہے ؂

دوسرا ریزولیوشن اس کانفرنس میں یہ پیش ہوا۔ کہ چونکہ معاملات ٹرکی کے متعلق ہماری عرض معروضات پر کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ اس لئے ہم تجارت برطانیہ کو بائیکاٹ کرتے ہیں تاکہ ہماری معروضات کا کچھ اثر ہو اس کے خلاف کئی لوگوں نے تقریریں کیں۔ اور کہا کہ بائیکاٹ کے معنے کسی کو نقصان پہنچانے کے ہیں۔ اس لئے تجارت برطانیہ کو بائیکاٹ کرنے کا یہ مطلب ہوگا کہ برطانیہ کو نقصان پہنچایا جائے۔ جو ٹھیک نہیں ہے لیکن جوشیلے لوگوں نے اس کو پاس ہی کر دیا۔ اور "مہاتما" گاندھی کی مخالفت کی بھی کوئی پرواہ نہ کی۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ "مہاتما" صاحب کی بھی وہی بات مانی جاتی ہے۔ جو لوگوں کی اپنی خواہش اور منشاء کے مطابق ہوتی ہے۔ ورنہ ان کو بھی جواب دے دیا جاتا ہے۔

ناظرین کو یاد ہوگا۔ جبکہ ٹرکی اور اٹلی میں لڑائی ہوئی تھی۔ اسوقت ٹرکی کے مال کو بائیکاٹ کرنے پر بڑا زور دیا گیا تھا۔ اور بعض لوگوں نے اٹلی کی بنی ہوئی ترکی ٹوپیوں کو جلا بھی دیا تھا۔ لیکن اس کا کیا نتیجہ ہوا۔ کیا اٹلی نے اس سے ڈر کر ترکی کے ساتھ صلح کرلی تھی۔ کیا طرابلس ترکوں کو دے دیا گیا تھا۔ کیا اٹلی کی تجارت بند ہوگئی تھی۔ یا کم از کم اسے کوئی نقصان ہی پہنچ گیا تھا۔ اگر ان میں سے کوئی بات بھی نہ ہوئی تھی۔ اور اُلٹا بائیکاٹ کرنیوالوں کو ہی نقصان اُٹھانا پڑا تھا۔ تو اب پھر آزمودہ را آزمودن پر عمل کرنا کونسی عقلمندی ہے اور وہ بھی گورنمنٹ برطانیہ کے مقابلہ میں۔ جس کی امداد اور سہارے کے بغیر اہل ہند اپنی معمولی سے معمولی ضروریات کو بھی پورا نہیں کر سکتے۔ ہمیں امید ہی نہیں۔ بلکہ یقین ہے۔ کہ عام طور پر اس ریزولیوشن کو نہایت زور کے ساتھ ٹھکرا دیا جائیگا۔ اور کوئی عقلمند اور سمجھدار انسان ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال اپنے دل میں نہ لائیگا کہ برطانیہ کے مال کو بائیکاٹ کرکے کسی اچھے نتیجہ کی اُمید کی جا سکتی ہے۔

اس سے عجیب تر ایک اور ریزولیوشن پاس کیا گیا جو یہ ہے۔ کہ ہم مسلمانان ہندوستان بتدریج گورنمنٹ برطانیہ سے قطع تعلق کرنے کے لئے ایک انجمن قائم کرینگے جو ہم کو بتائیگی۔ کہ کس طرح سے ہم قطع تعلق کر سکتے ہیں۔ اس کے متعلق جب پوچھا گیا۔ کہ قطع تعلق کرنے کا کیا مطلب ہے۔ تو صدر نے کہا۔ کہ میں اس کی تشریح نہیں کر سکتا۔ اسکی تشریح حکیم اجمل خان صاحب کرینگے لیکن جب حکیم صاحب کی باری آئی۔ تو انہوں نے کہا کہ اس کی تشریح میں اسوقت نہیں کر سکتا۔ مثال کے طور پر کہہ سکتا ہوں۔ جس طرح خان بہادر اور رائے بہادر کے خطابات کا واپس کرنا۔ لوگوں نے پوچھا۔ بس اتنا ہی۔ حکیم صاحب نے کہا۔ میں بھی حاذق الملک کا خطاب واپس کر دونگا ؂

ان ریزولیوشنوں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ لوگ جو آجکل مسلمانوں کے لیڈر اور راہ نما بنے ہوئے ہیں وہ کیسے خطرناک راستہ کی طرف عوام کو لے جانے کی سعی کر رہے ہیں۔ لیکن عوام کو چاہیئے۔ کہ اپنے نفع ونقصان کو خوب اچھی طرح سوچ لیں۔ اور اس قسم کی تحریکوں میں کوئی حصہ نہ لیں۔ گورنمنٹ برطانیہ سے اہل ہند کو جسقدر فوائد پہونچ رہے ہیں۔ ان کا کوئی عقلمند انکار نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی کوئی عاقبت اندیش یہ خیال کر سکتا ہے۔ کہ گورنمنٹ کی مخالفت کرنے کا کوئی عمدہ نتیجہ نکل سکتا ہے۔ در اصل اس قسم کی تحریکیں اپنے ہاتھوں اپنی ترقی کے راستہ میں رکاوٹیں ڈالنا اور اپنے آرام اور آسایش کو خود برباد کرنے کی کوشش کرنا ہے۔ اس لئے ہم نہایت ہمدردی اور سچے دل کے ساتھ عوام الناس کو مشورہ دیتے ہیں۔ کہ ان سے بالکل الگ رہیں۔ ورنہ خوب یاد رکھیں۔ کہ اس کا نتیجہ نہایت خطرناک اور تباہ کن نکلیگا ؂

کیا جرمنی پھر جنگ کریگا

عہد نامہ صلح کے متعلق اسوقت تک امریکہ نے جو کچھ کیا ہے۔ اس کا پتہ واشنگٹن کے ۲۰ نومبر کے حسب ذیل تار سے لگ سکتا ہے کہ "سینٹ میں بیشمار بحثیں ہو چکنے پر بھی صلحنامہ کے متعلق امریکہ ابھی تک کسی فیصلہ پر نہیں پہونچا۔ امریکہ کا جہاں تک تعلق ہے عہد نامہ کے سوال کا فیصلہ پریزیڈنٹ ولسن کے ہاتھ میں ہے۔ اور اسوقت حالت وہی ہے۔ جو آج سے چھ ماہ پیشتر تھی۔ جنوری سے پیشتر نظر ثانی کا کام شروع نہیں ہو سکیگا۔"

عہد نامہ صلح کے متعلق امریکہ کے یہ طرز عمل اختیار کرنے سے بعض حلقوں میں خیال کیا جا رہا ہے۔ کہ اگر امریکہ نے عہد نامہ صلح کی تصدیق نہ کی۔ تو جرمنی اور اتحادیوں کے مابین پھر جنگ چھڑ جائیگی۔ اس کی تردید میں سرکاری اخبار "حق" نے مندرجہ ذیل باتیں پیش کی ہیں:۔

اول یہ کہ جس وقت عہد نامہ کی تصدیق اتحادیوں میں سے کوئی سی تین طاقتیں کر دیں۔ اسی وقت سے اس پر عملدرآمد شروع ہو جائے گا۔ چاہے امریکہ ان تین طاقتوں میں شامل ہو یا نہ ہو۔ اب چونکہ انگلستان - فرانس اور جاپان نے عہد نامہ کی تصدیق کر دی ہے۔ اس لئے امریکہ کی روش فیصلہ پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔

دوم یہ کہ جرمنی جنگ کے سراسر ناقابل ہے۔ اس کے جہاز غرق ہو چکے ہیں۔ اس کی سپاہ منتشر ہو چکی ہے۔ اس کے فوجی لیڈر لوگوں کی نظروں سے گر چکے ہیں۔ اس کا قومی شیرازہ بکھر چکا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ ممکن ہے۔ جرمنی مشرقی محاذ پر کچھ تکلیف دے سکے جو اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ کہ وہ قدرے شورش برپا کر دے مگر یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ امریکہ کی امداد کے بغیر بھی اتحادی جرمنی کے لئے کافی زبردست ہیں۔

اُمید نہیں کی جا سکتی۔ کہ جرمنی کو اتحادی سلطنتوں اور خاص کر انگلستان نے جو ضرب شدید لگائی ہے "وہ" اسے اس قدر جلد بھول جائے۔ اور اس قدر کچلا جانے کے بعد از سر نو کسی قسم کی شورش کا موجب بننے کی جرأت کر سکے۔

والئے دکن اور دعوے برار

علاقہ برار کے متعلق گورنمنٹ نظام کی مدت سے خواہش ہے۔ کہ اسے واپس دیدیا جائے۔ اس کے متعلق حال میں ہز اگزالٹڈ ہائنس نظام نے اپنی انتظامیہ کونسل میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

"جب سے ہندوستان میں برطانی حکومت قائم ہے ہمارے خاندان اور اس میں دوستی اور اتحاد چلا آتا ہے۔ اکثر اوقات کسی نہ کسی آصف جاہ کی تلوار برطانوی عزت اور رعب و داب کے تحفظ کے لئے میان سے نکالی گئی۔ کونسل اسوقت ایسی خوشگوار پوزیشن میں ہے۔ کہ وہ برار کی بحالی کے مسئلہ پر توجہ کرے۔ سلطنت کے اس حصہ پر میرا دعوٰی نہایت انصاف پر مبنی ہے۔ اور یہ عیاں ہے۔ کہ منصفانہ غور و خوض سے اس کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔"

اس میں شک نہیں کہ جنگ کے آغاز سے لے کر انجام تک حکومت دکن نے جسقدر خدمات کی ہیں۔ انکی وجہ سے گورنمنٹ ہند کے ساتھ اس کے تعلقات بہت ہی خوشگوار ہیں۔ اس لئے امید کی جا سکتی ہے کہ معاملہ برار کے متعلق نہایت عمدگی کے ساتھ غور کیا جائیگا۔

مذہبی پیشواؤں سے توقع

اخبار "آفتاب" میں "یورپ" کے "موجودہ انقلاب" کا باعث "پادریوں کی ایک مضبوط جماعت" کو اور "ٹرکی" کے "دور استبدادیت" کو نیست و نابود کرنے میں امداد دینے والے "علمار کرام" کو اور "ایران" کی "شخصی حکومت" کی "بیخکنی" کرنیوالے "ایران کے محترم و مقدس علمار" کو قرار دیتے ہوئے یہ تحریک کی گئی ہے کہ:۔

"اسی طرح ہندوستان کے قوم پرستوں کو چاہیئے۔ کہ وہ اپنے مذہبی پیشواؤں کو ملک و قوم کی خدمات پر مستعد و آمادہ کر کے انہیں میدان عمل میں لے آویں۔ اس لئے کہ جس شخص کے پرائیویٹ اخلاق میں ضعف و کمزوری ہے وہ پولیٹیکل زندگی میں حصہ لینے کا ہرگز اہل نہیں ہو سکتا وہ شخص جو خود غرض۔ بزدل اور طماع ہے۔ اس کو اس کا حق حاصل نہیں ہے۔ کہ وہ پبلک زندگی میں نوجوانوں کی عقدہ کشائی کے لئے تیار ہو۔"

اس بات سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ یورپ کے موجودہ انقلاب میں پادریوں کا کہاں تک دخل ہے۔ اور اس بات کو بھی نظر انداز کرتے ہوئے کہ ٹرکی میں "علمائے کرام" نے اور ایران میں "مقدس علمار" نے کیا کیا گل کھلائے ہیں۔ اور ان دونوں سلطنتوں کی اینٹ سے اینٹ بجانے میں انہوں نے کس قدر مدد دی ہے۔ ہم پوچھتے ہیں۔ کہ جب اسی مضمون میں یہ اعتراف کر لیا گیا ہے۔ کہ "ہندوستان میں ایسے پختہ کاران جنون عنقا ہیں۔" تو ہندوستان کے قوم پرست کہاں سے "مذہبی پیشواؤں کو ملک و قوم کی خدمات پر مستعد و آمادہ کر کے انہیں میدان عمل میں لائیں۔" پھر جو لوگ مذہبی پیشوا سمجھے جاتے ہیں۔ ان کی حالت جس درجہ افسوسناک ہے وہ بھی پوشیدہ نہیں۔ علاوہ ازیں سب سے زیادہ ضروری بات یہ دیکھنے کے قابل ہے۔ کہ کیا ان مذہبی پیشوائی کے مدعیوں نے لوگوں کی مذہبی عقدہ کشائی کرنے میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔ کہ اب ان سے سیاسی عقدہ کشائی کی اُمید کی جا سکے۔ اگر ان سے مذہب کو ہی کوئی فائدہ نہیں پہنچ رہا۔ بلکہ نقصان پہنچا رہے ہیں۔ جیسا کہ حالات اور واقعات سے ظاہر ہے۔ تو ان سے کوئی اور اُمید رکھنا فضول ہے۔

مسلمانوں کو چاہیئے۔ کہ اگر وہ دین و دنیا میں کامیاب ہونا چاہتے ہیں۔ تو اس مذہبی پیشوا کو قبول کریں۔ جسے خدا تعالےٰ نے اس زمانہ میں مذہبی عقدہ کشائی کے لئے بھیجا۔ اور جس کی عقدہ کشائی کے ثبوت میں کئی لاکھ کی جماعت موجود ہے۔

طوفان بنگال سے کس قدر تباہی ہوئی

گورنمنٹ بنگال نے گذشتہ طوفان بنگال کے نقصان کے متعلق حال میں جو فہرست شائع کی ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ آٹھ ضلعوں میں دو ہزار ستر آدمی ضائع ہوئے۔ باقی کی جائداد کے نقصان کا اندازہ مشکل ہے۔ مگر پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ

کی طرف سے عمارتوں کی مرمت پر ساڑھے تین لاکھ روپیہ کے خرچ کا اندازہ کیا گیا ہے۔ صیغہ پولیس کو اپنی عمارتوں کی مرمت کے لئے پونے پانچ لاکھ روپیہ صرف کرنا ہوگا۔ اسی فیصدی تار کی لائن برباد ہوگئی۔ مستقل تعمیرات کی دوبارہ تعمیر میں قریباً پانچ ماہ لگیں گے۔

اس سے نقصان کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ گورنمنٹ نہایت تندہی سے اس تباہ شدہ علاقہ کی امداد کر رہی ہے۔ ایک کمشنر اور ان کے ماتحت پچیس سرکاری آفیسر کام کر رہے ہیں۔ گورنمنٹ نے سرکاری کپڑے کی پانسو گٹھیں اور ایک لاکھ ۱۷ ہزار من برہما کا چاول خریدا ہے۔ جو مفت یا کم قیمت پر تقسیم کیا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ ضلع ڈھاکہ میں ساٹھ ہزار اور دیگر اضلاع میں پینتالیس ہزار نقد تقسیم ہو چکا ہے۔ زراعتی قرضوں کے واسطے دو لاکھ روپیہ اور دیا گیا ہے۔

کاش! لوگ اس قسم کے تباہی خیز واقعات سے عبرت پکڑیں۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف جھکیں ٭

پنجاب سے امیدواران سول سروس کا انتخاب

گورنمنٹ پنجاب نے انڈین سول سروس کے امیدواران کو منتخب کرنے کے لئے جو بورڈ مقرر کیا تھا۔

اس نے چھ امیدواروں کا انتخاب کیا ہے جنہیں سے دو سکھ ایک عیسائی۔ ایک ہندو۔ اور دو مسلمان ہیں۔ پنجاب میں مسلمانوں کی آبادی ۵۵ فیصدی ہے۔ جو کہ ہندوؤں اور سکھوں کی مجموعی تعداد سے بھی زیادہ ہے۔ اس لحاظ سے اگر زیادہ نہیں، تو ان کے امیدوار ہندوؤں اور سکھوں کے مساوی ہونے چاہیئے تھے ٭

آریہ سماج کی وضع شریعت

آریہ سماج وچھوالی کے سالانہ جلسے کے متعلق ٹھاکر دت صاحب "آپ پردھان آریہ سماج لاہور وچھووالی" کا ایک مضمون اس موضوع پر کہ "کونسی باتیں ہیں۔ جن پر جلسہ میں غور و خوض کیا جائیگا۔ اخبار پرکاش مورخہ ۲۳ نومبر میں شائع ہوا ہے۔ جسمیں منجملہ اور باتوں کے ایک یہ لکھی گئی ہے کہ:-

"سب آریہ بھائی اس بات پر وچار کرینگے۔ کہ اسوقت جو موجود تیوہار و برت آدی ہیں۔ ان میں سے کس کو آریہ سماج کو منانا چاہیئے۔ اور اگر منانا چاہیئے۔ تو کیسے منانا چاہیئے۔ یہ نہایت ضروری مضمون ہے۔ کیونکہ جب کوئی تیوہار آتا ہے تو گڑبڑ رہتی ہے۔ کئی بھائی تو اس دن جانتے بھی نہیں کہ آیا کونسا تہوار و برت ہے۔ مگر کوئی بھائی اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ جیسے وہ کریں ویسے کرنے کو تیار ہوتے ہیں۔ آریہ سماج میں جو کام ہو وہ ایکسا ہونا چاہیئے۔ اسواسطے اس ضروری مضمون کو اس دفعہ رکھا گیا ہے۔"

لیکن سوال یہ ہے۔ کہ جب آریہ سماج کا دعویٰ ہے۔ کہ ویدک دھرم خدا کا سچا مذہب ہے۔ اور اسی کے قبول کرنے میں تمام دنیا کی نجات ہے۔ تو پھر آریہ مذہب یا ویدک دھرم کی اس تہی دامانی کا کیا باعث ہے۔ کہ وہ اپنے پیروؤں کو یہ بات بھی نہیں بتا سکتا۔ کہ انہیں کس دن کوئی تیوہار منانا چاہیئے۔ اور کس دن برت (روزہ) رکھنا چاہیئے۔ کیا ہندو مذہب میں جو تیوہار منائے جاتے ہیں۔ وہ پرمیشر کی طرف سے مقرر کردہ اور ویدک تعلیمات کے مطابق ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں۔ تو پھر اب ان پر غور و خوض بے فائدہ۔ اور اگر ہیں تو ان کے ہوتے ہوئے کسی اور تہوار کے لئے غور کرنے کے کیا معنی۔

بالآخر ہم کہتے ہیں کہ خواہ کوئی صورت ہو۔ آریہ صاحبان کی اس تحریر سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ مجبور ہیں۔ کہ اپنے لئے خود کوئی مذہبی دستور العمل بنائیں۔ اور ان کے پرمیشور کا کلام وید جن کو وہ خدا کا ابتدائی اور آخری کلام خیال کرتے۔ اور جن کے متعلق کہتے ہیں کہ ان کے بعد کوئی الہامی کتاب نازل ہو ہی نہیں سکتی۔ اسقدر تہیدست ہیں کہ اپنے پیروؤں کی صحیح رہنمائی نہیں کر سکتے۔ اور اس کے آئے دن نظارے دیکھنے میں آتے ہیں ٭

کیا مسلمان حکومتیں خدا کے فرمان کے مطابق ہیں

خلافت کانفرنس کے نام سے دہلی میں جو جلسہ ہوا۔ اس کی کارروائی پر ہم اسی پرچہ کے لیڈنگ آرٹیکل میں روشنی ڈال چکے ہیں۔ اور مسلمانوں کو ہمدردانہ مشورہ دے چکے ہیں۔ کہ وہ اس کارروائی سے بالکل الگ رہیں۔ اب ہم نمونتاً یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ اس جلسہ کی کارروائی کو مذہبی رنگ میں رنگنے کے لئے کس قسم کی قوت استدلال سے کام لیا گیا ہے۔

ایک مولوی صاحب نے جشن فتح سے علیحدہ رہنے کے متعلق تقریر کرتے ہوئے جو کچھ کہا۔ اسے اخبار آفتاب کے نامہ نگار نے بایں الفاظ شائع کرایا ہے کہ:-

"مسلمانوں کا مذہب سکھاتا ہے۔ ان الحکم من خدمۃ اللہ یعنی حقیقی حکومت سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی نہیں۔ جو حکومتیں مسلمانوں کی قائم ہیں۔ ان کو خدا کے فرمان کے مطابق رہنا چاہیئے۔ مراد یہ ہے کہ ان کے اقتدار میں فرق نہ کرنا چاہیئے۔"

اگر آیت کا غلط لکھنا آفتاب اور اس کے نامہ نگار کے ذمہ لگایا جائے اور اصل آیت جو یہ ہے:- اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے۔ تو حیرت ہوتی ہے۔ کہ اس سے یہ مراد کیونکر لی جا سکتی ہے۔ کہ مسلمانوں کی حکومتوں کے اقتدار میں فرق نہ آنا چاہیئے۔ اگر مسلمان حکومتیں جن کو حکم ہے کہ خدا کے فرمان کے مطابق رہیں۔ اس حکم پر عمل پیرا ہوں۔ تو پھر تو کسی میں طاقت ہی نہیں ہے۔ کہ انکے اقتدار میں فرق لا سکے۔ لیکن جب اس کے خلاف ان کا قدم اٹھ رہا ہے۔ تو ضرور ہے کہ ان کا نام و نشان مٹایا جائے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اب مسلمان کہلانیوالوں کی حکومتیں ایک ایک کرکے مٹ رہی ہیں۔ اور یہ سب کچھ ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم کے ارشاد خداوندی کے ماتحت ہو رہا ہے کیا کوئی ثابت کر سکتا ہے۔ کہ آج جس حکومت کے لئے اسقدر واویلا کیا جا رہا ہے۔ اس کے افعال خدا کے فرمان کے مطابق ہیں۔ اور اس میں شریعت اسلام کے مطابق عمل درآمد ہوتا ہے۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں۔ تو سمجھ لینا چاہیئے کہ چونکہ وہ خدا کے فرمان کے مطابق نہیں رہی۔ اس لئے اس کے اقتدار میں فرق آ رہا ہے۔ اور یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ یہ فرق اسوقت تک بڑھتا ہی رہیگا۔ جب تک کہ خدا تعالیٰ کے احکام کی عزت و توقیر کرتے ہوئے انکے آگے سر تسلیم خم نہ کر دیا جائیگا اسکے سوا چیخنا چلانا کام آ سکتا ہے۔ نہ تیز اور گرم تقریریں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ جمعہ

آپس میں محبت کرو

از حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہٖ

مورخہ ۲۸ نومبر ۱۹۱۹ء

(مرتبہ مہر محمد خان شہاب احمدی مالیر کوٹلوی)

سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

انسان کے معنے

میں بوجہ حلق کی تکلیف کے زیادہ نہیں بول سکتا۔ مگر چند الفاظ میں آپ کو اور باہر کی جماعتوں کو ایک اہم فرض کی طرف توجہ دلاتا ہوں میرے نزدیک اس فرض کی ادائگی میں ہماری جماعت میں بہت سستی ہے۔ حالانکہ وہ فرض نہایت ضروری ہے۔ اور اس کے بغیر انسان انسان نہیں ہو سکتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے۔ کہ انسان اصل میں انسان سے نکلا ہے۔ جس کے معنے ہیں دو انس یا دو محبتیں ایک خدا کی محبت اور ایک خدا کے بندوں کی محبت پس انسان۔ انسانیت کے لئے سب سے پہلا قدم اُٹھا سکتا ہے۔ وہ یہی ہے۔ کہ ایک طرف اس کو خدا کی محبت ہو دوسری طرف خدا کے بندوں کی۔ اگر انسان محبت سے خالی ہو تو اس کو انسان نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ اس کو تو جانور بھی نہیں کہا جا سکتا۔ وہ تو جانوروں سے بھی بدتر ہو گا۔ کیونکہ بہت سے لوگ انسان کہلاتے ہوئے بندر ہوتے ہیں۔ انسان کہلاتے ہوئے سور ہوتے۔ کچھ ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے۔ کہ یہ سور ہو یا شیر ہو یا چیتا یا بھیڑیا یا انسان کہلا کر بوجہ اپنی مکاریوں کے لومڑ ہو۔ اسی طرح ایک انسان انسان نظر آتا ہو۔ اپنی اخلاقی حالت کے لحاظ سے ان جانوروں سے بھی گیا گذرا ہو۔ کہ دیکھنے میں تو انسان ہو۔ اور عادات کے لحاظ سے ریچھ سے بھی بدتر ہو یا سور سے بھی بدتر ہو۔ ہو سکتا ہے کہ درندگی میں بھیڑئیے سے بھی بدتر ہو۔ مشہور ہے کہ شیر گرے ہوئے پر حملہ نہیں کرتا۔ مگر آدمی کہلانے والوں میں اس قسم کے ہوتے ہیں کہ گرے ہوئے پر بھی حملہ کرتے ہیں۔

انسان کی جسمانی و روحانی حالت۔

حدیث شریف میں آتا ہے۔ کہ قیامت کے دن بعض مجرم اونٹ کی شکل میں آئیں گے۔ جسمانی طور پر تو تعجب ہو سکتا ہے۔ لیکن روحانی طور پر یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ممکن ہے۔ کہ ایک شخص کی روحانیت جس قسم کی یہاں ہو۔ اس کو متمثل کر کے اگلے جہاں میں اونٹ کی شکل میں دکھایا جائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہر انسان کے دو نقشے ہوتے ہیں۔ ایک اس کا ظاہری نقشہ۔ ایک باطنی۔ ظاہری نقشہ میں تو تمام انسان مشابہت رکھتے ہیں۔ لیکن باطنی میں ایک کی شکل دوسرے سے نہیں ملتی۔ اور جس طرح افراد کی حالتوں میں فرق ہے اسی طرح اقوام کی حالت ہوتی ہے۔

خدا اور بندوں کی محبت کا ثبوت

پس انسان وہ ہے کہ جس میں دو محبتیں ہوں۔ ایک بندوں سے ہو۔ اور ایک خدا سے اور خدا کی محبت وہ ہے۔ جو نظر نہیں آ سکتی۔ کیونکہ یہ ایک قلبی معاملہ ہے۔ اور بندوں سے جو محبت ہو وہ ظاہر ہو سکتی ہے۔ خدا سے محبت کا ثبوت بھی تب مل سکتا ہے۔ کہ اس کے مقابلہ میں خدا کی طرف سے بھی محبت کا معاملہ ہو۔ کیونکہ مشہور ہے۔ دل را بدل رہیست لیکن خدا کے لئے تو یہ بات نہیں کہی جا سکتی۔ کیونکہ وہاں تو علم کامل ہے۔ پس جب ایک بندہ خدا سے سچی محبت رکھتا ہو۔ تو ہو نہیں سکتا۔ کہ خدا تعالیٰ اس سے محبت کا معاملہ نہ کرے۔ تو ایک انسان کا خدا سے دعویٰ محبت اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے۔ جب خدا تعالیٰ کی طرف سے بھی محبت کا معاملہ ہو۔ یہ ایک بلند مرتبہ ہے جو بڑی محنت سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ تو دور کی بات ہے مگر انسانوں کی محبت تو تھوڑی سی بات ہے۔

ہماری جماعت کی محبت کی حالت۔

میں دیکھتا ہوں ہماری جماعت میں آپس میں وہ پیار اور محبت کم ہے۔ جو اسلام کہتا ہے کہ تمام لوگوں سے ہو۔ اسلام وہ پیار جو چاہتا ہے۔ کہ ایک عیسائی سے ہو۔ ایک یہودی سے ہو۔ ایک آریہ سے ہو۔ ایک زرتشتی سے ہو۔ ایک سکھ سے ہو۔ وہ پیار جو بھائیوں بھائیوں میں ہونا چاہیئے۔ وہ تو یہ ہے کہ کانھم بنیان مرصوص۔ کہ جس طرح چُونے گچ دیواریں یہ نہیں معلوم کیا جا سکتا۔ کہ فلاں اینٹ کہاں سے شروع ہوئی اور کہاں ختم ہوئی۔ اسی طرح بھائیوں بھائیوں کو آپس میں جڑے ہوئے ہونا چاہیئے۔ کہ غیریت نظر نہ آئے۔ یہ تو ایک بھاری چیز ہے۔ ہماری جماعت میں تو اس محبت میں بھی کمی ہے۔ جتنی کہ اسلام کے رو سے غیر مذاہب کے لوگوں سے ہونی چاہیئے۔ یعنی جتنا کہ ایک احمدی کو ایک ہندو یا عیسائی سے پیار ہونا چاہیئے۔ اتنا پیار احمدیوں کا آپس میں نہیں۔ اور وہ پیار جو آپس میں ہونا چاہیئے۔ وہ تو بڑی بات ہے۔ اور یہ پیار اور محبت انسانیت اور اسلام کا پہلا زینہ ہے۔ افسوس کہ اس میں بھی بڑی کمی ہے۔ اور جب ابھی پہلا زینہ ہی طے نہ کیا ہو۔ تو دوسرے زینے کیسے طے ہو سکتے ہیں۔

دنیا میں زیادہ حقوق سے ترقی نہیں قربانی اور ایثار سے ہے

اس لئے میں اپنی جماعت کو خاص طور پر توجہ دلاتا ہوں کہ اخلاق فاضلہ ایک بڑی چیز ہیں۔ اور دنیا کی جمعیت کا انپر انحصار ہے۔ اپنے حقوق پر ہی زور دینا کامیابی کا موجب نہیں۔ بلکہ قربانی کرنا کامیابی کا ذریعہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر حقوق پر ہی زور دیا جائے تو دنیا سے امن رخصت ہو جائے۔ دیکھو اگر ایک بھائی مر جائے اور اپنے بچے یتیم چھوڑ جائے۔ تو دوسرے بھائی کہہ سکتے ہیں۔ کہ ان بچوں کا ہم پر کوئی حق نہیں۔ کیونکہ ان کا باپ اپنے حقوق زندگی میں ہم سے لیتا رہا ہے۔ پھر اگر محلہ میں کوئی شخص فوت ہو۔ تو اہل محلہ اس کے یتیم بچوں اور بیوہ بیوی کے متعلق کہہ سکتے ہیں کہ ان کا ہم پر کوئی حق نہیں۔ اسی طرح شہر کے لوگ۔ اور پھر ایک قوم کے لوگ اپنی قوم کے ایک فرد کے بچوں کے متعلق کہہ سکتے ہیں کہ ان کا باپ اپنی زندگی میں اپنے حقوق ہم سے لیتا رہا۔ ہم ان بچوں کی نگہداشت نہیں کر سکتے۔ اسی طرح ایک حکومت کہہ سکتی ہے۔ یا اگر کوئی شخص پاگل ہو جائے۔ تو اس کی اولاد کی پرورش

سے اس کے رشتہ دار۔ اس کے قریبی اور اہل محلہ اور اہل شہر اور حکومت دست بردار ہو جائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف حقوق ہی دنیا کی ترقی کا موجب نہیں۔ بلکہ حقوق کے سوا بھی کوئی چیز ہے۔ اور وہ قربانی ہے۔ اور محبت ہے۔ اگر ایک انسان ہمیشہ حق پر ہی بحث کرتا ہے۔ تو اگر وہ بیمار ہو جائے یا مر جائے یا اس کے رشتہ دار اس کی مدد سے انکار کر دیں۔ تو ان کو کیا کہا جا سکتا ہے۔ پس یہ طریق شریعت نے وسیع کیا ہے۔ کہ تم حقوق پر ہی بحث نہ کیا کرو بلکہ حقوق کے سوا محبت و اخلاص کو بڑھاؤ۔ اور قربانیاں کرو۔

سزا اور عفو کے مقامات

ہمارے لئے جس وجود کو اُسوۂ حسنہ قرار دیا گیا ہے۔ اس پر کیا کیا سختیاں ہوئیں۔ لیکن جب وقت آیا۔ آپ نے ان کو معاف کر دیا۔ اور ان تمام تکالیف کو بھلا دیا۔ جو مکہ والوں کی طرف سے آپ کو پہنچی تھیں۔ ایک وقت میں ان کی شرارت کی وجہ سے ان کو سزا بھی دی۔ یہ غلط ہے۔ کہ جو بعض لوگ شریر کو اسوقت چھوڑ دیتے ہیں۔ جبکہ وہ شرارت کر رہا ہوتا ہے۔ اگرچہ اس حالت میں بعض اوقات وہ معافی کی بھی درخواست کرتا ہے۔ لیکن وہ خفیہ خفیہ جڑیں کھود رہا ہو۔ پس وہ معافی اس کی معافی نہیں۔ سزا اسوقت اس کو چھوڑنا چاہیئے۔ ہاں جس وقت معلوم ہو جائے۔ کہ اب یہ شرارت نہیں کرینگے۔ اور اسوقت ان کو سزا دینے میں ان کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ تو پھر معاف ہی کرنا چاہیئے۔ اور ایسی حالت میں ہر شریف بلکہ ہر ایک مسلمان کا یہی فرض ہے۔ کہ معافی دیدے۔ اور ان کے قصور سے چشم پوشی کرے۔ لیکن اگر ایک شخص آتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ مجھے معاف کرو۔ مگر اس کے افعال اس قسم کے ہیں۔ جن سے وہ اسلام کو تباہ کرنا چاہتا ہے۔ تو قطعاً وہ معافی کا مستحق نہیں۔ پس یاد رکھو۔ عفو۔ رحم اخوۃ اسلامی۔ اور محبت یہ وہ چیزیں ہیں۔ جو اساس اسلام ہیں۔ جو ان کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ وہ اسلام سے منہ پھیرتا ہے۔ پس چاہیئے۔ کہ آپس میں محبت و پیار ہو۔ اسلام تو کہتا ہے۔ کہ تم غیروں سے بھی محبت کرو مگر چونکہ آپس میں ہی محبت کی کمی ہو اس لئے پہلے گھر سے شروع کرو۔ تم میں ہیں۔ جو چشم پوشی کرتے ہیں۔ مگر بے موقعہ اور جہاں نہیں چاہیئے۔ مثلاً اگر کوئی شخص اس قسم کی باتیں کرتا ہے۔ جن سے جماعت ٹوٹتی ہے۔ تو سن لیتے ہیں اور چشم پوشی کر دیتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص ان کی ذات کے خلاف کہے۔ تو نہیں سن سکتے۔ تو اس کا نام چشم پوشی نہیں۔ یہ تو بے دیانتی ہے۔ قرآن کریم ایک موقعہ پر کہتا ہے کہ سزا دو۔ اگر اس سزا کے وقت میں کسی کے دل میں نرمی یا رحم پیدا ہو تو وہ مومن نہیں۔ پس اگر کوئی شخص جماعت کو اپنی شرارت سے نقصان پہنچانے کے درپے ہے تو اس کو سزا دو۔ اور اپنے ذاتی معاملات اور دیگر امور میں رحم سے کام لو۔ کیونکہ خدا رحم کرنیوالوں سے محبت کرتا ہے۔ بعض حالات میں تو یہاں تک فرمایا ہے۔ کہ جو شخص رحم نہیں کرتا۔ وہ مسلمان نہیں۔ یہاں الٹ بات ہے کہ لوگ ایسی باتوں پر تو چشم پوشی سے کام لیتے ہیں۔ جن سے جماعت کا شیرازہ بکھرتا ہو۔ لیکن وہ باتیں جن کا اثر ان تک محدود ہو۔ اس پر غصہ کرتے ہیں۔ یہ ایمان کے نقص کی بات ہے۔ رحم وہ ہے۔ جو جڑ ہے اسلام کی اور اس کا تعلق تمام اقوام سے ہے۔ کہ اگر اس میں نقص ہے۔ تو ایمان میں نقص ہے۔

کیسی محبت کی ضرورت ہے

میں اپنی جماعت کو خاص طور پر نصیحت کرتا ہوں۔ کہ محبت و اخلاص کو آپس میں بڑھاؤ۔ کہ ہر شخص دوسرے کے معاملات کو اپنے معاملات ہی محسوس کرے۔ آج کل کے بھائیوں کی حالت کو دیکھتے ہوئے میں یہ تو نہیں کہہ سکتا۔ کہ آپس میں ایسی محبت کرو۔ جیسی کہ بھائی کو بھائی سے ہوتی ہے۔ کیونکہ آج کل بھائیوں میں محبت نہیں ہاں میں یہ کہہ سکتا ہوں۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں جو بھائی بھائیوں میں آپس میں محبت ہوتی تھی وہ پیدا کرو۔ پرانا محاورہ ہے۔ کہ خون سفید ہو گئے مگر اس کی حقیقت آج کل کھلی۔ جبکہ بھائی بھائی آپس میں بالکل بے تعلق ہو گئے۔ اور کوئی رشتہ ایسا نہ رہا جس میں محبت کو زیادہ تعلق ہو۔ پس تم ایسے رشتہ دار بنو جیسے کہ رسول کریمؐ کے زمانہ میں صحابہ تھے۔ اس زمانہ میں تم نے مسیح موعود کو دیکھا ہے۔ تم لوگ آپ سے وابستہ ہو۔ پس جو رنگ محبت آپ میں دیکھا ہے۔ وہ پیدا کرو۔ اس سے زیادہ اور واضح مثال کیا ہو سکتی ہے۔

پس یہ اساس ایمان ہے۔ جب تک اخوۃ نہیں ایمان بھی نہیں۔ فاصبحتم بنعمتہ اخواناً کے یہی معنے ہیں۔ اخوۃ مومن کی علامات سے ہیں۔ ایمان اور اخوۃ ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ میں نصیحت کرتا ہوں۔ اس کو یاد رکھو۔ کہ آپس میں اخوت کے تعلقات کو بڑھاؤ۔ اور جب تک اس پر عمل نہ کرو گے۔ آگے قدم نہیں اُٹھا سکو گے۔

ایک غیر احمدی کا خط

بخدمت جناب ایڈیٹر صاحب الفضل قادیان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں احمدی جماعت میں ابھی داخل نہیں ہوا ہوں۔ خداوند کریم میری تسلی کرے اور راہ راست پر لاوے۔ خاکسار چند سطور برائے اندراج اخبار الفضل ارسال کرتا ہے۔ درج فرمائی جاویں۔

میں گذشتہ رات یعنی شب درمیانی ۲۳-۲۴ نومبر ۱۹۱۹ء کو بمقام پنڈی گھیب مسجد میں عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد احمدیہ جماعت کی ایک کتاب جس کا نام درثمین ہے تمام جماعت حاضرین مسجد کو پڑھ کر سنائی۔ جسے تمام حاضرین نے توجہ سے سنا۔ اور بعد سننے کے کہا کہ نہایت اعلیٰ کتاب ہے۔ اور لکھنے والا ایک پکا مسلمان ہے۔ اس کے علاوہ بھی میں نے چند ایک اشخاص کو یہی کتاب پڑھ کر سنائی۔ جو نہایت ہی خوش ہوئے۔ لیکن مرزا صاحب میرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا نام لیا جاوے۔ تو پھر وہ اعتراض کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ لوگ شروع ان کے دعویٰ کو منکر ہوئے ہیں۔ نہ کہ انکی کتب سے واقف ہیں۔ میرے خیال میں یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ مرزا صاحب کے مخالفین صرف ان کے نام سے اعتراض کرتے ہیں۔ اگر مرزا صاحب کی تصنیف شدہ کتابیں پڑھ کر غیر احمدیوں کو سنائی جاویں تو پھر کہتے ہیں کہ لکھنے والا بڑا عالم ہے اور جو کچھ لکھا ہے۔ درست ہے۔ خداتعالیٰ ہر ایک مسلمان کو راہ راست پر لاوے۔ اور توفیق نیکی دیوے۔ اور میرے خیالات جو ہیں خداتعالیٰ ان کو پورا کرے۔ اور صراط مستقیم پر محکم کرے۔ آمین ثم آمین

تصوّر و شعور

(از جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب)

جب ہم بلاد مصر میں پہنچے۔ تو ڈاڑھی مونڈے عربوں کی صورتیں شکلیں بُری اور مکروہ سی دکھائی دیں۔ لیکن کچھ عرصہ میں ہی وہ پہلا کراہت کا احساس آہستہ آہستہ لاشعوری (بے خبری) میں خود بخود مضمحل ہونے لگا۔ یہاں تک کہ پانچ چھ برس کے بعد اپنے اندر محسوس کرنے لگا۔ کہ دین کو ڈاڑھی منڈوانے یا رکھوانے سے کچھ علاقہ نہیں۔ صاف رہنا ہی بہتر ہے۔ اگرچہ میرے اندر ہی اندر کئی دفعہ یہ سوال بھی اُٹھا۔ کہ کیا وجہ ہے۔ صرف مرد کے ہی رخسارو پر بال اُگتے ہیں۔ اور اس قسم کے اور بھی معقولانہ سوالات پیدا ہوئے۔ اور خود بھی ڈاڑھی رکھنے کے باوجود میں اپنے اندر یہ احساس ضرور پاتا تھا۔ کہ ڈاڑھی کا صاف کروانا ہی موزون ہے۔ اگرچہ میں ڈاڑھی دار صورت کو بھی ناپسند نہیں کرتا تھا لیکن ہندوستان میں داخل ہوتے ہی میں نے ایک عجیب نفسی تغیر کو اپنے اندر محسوس کرتے ہوئے پایا۔ وہ یہ کہ ڈاڑھی دار صورتیں بھیانک اور ڈراونی دکھائی دینے لگیں۔ بعض جلد باز سطحی نظر لوگ تو اس ماجرے کو سُن کر یہی کہینگے۔ کہ ایمان کی کمی۔ لیکن اس حادثہ کی اصل تحلیل اور ایضاح یہ ہے۔ کہ میں نے بچپن سے ایسے محیط میں پرورش پائی ہے۔ جہاں میرے عزیز۔ اقربا۔ احباب اور نزدیک و دور جاننے پہچانے لوگ ریش مبارک رکھتے تھے۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ ریش ہونا شرافت عزت کا ایک نشان سمجھا جاتا ہے۔ میرا بھی ان کو سنا کر اور دیکھا دیکھی یہی اعتقاد ہو گیا تھا۔ اس محیط کے زیر تاثیر میرے ذہن میں جو تصور جما تھا۔ وہ خوبصورت اور بھلا تصور تھا اور اس عمدہ ذہنی تصور نے آہستہ آہستہ میرے اندر ایک پسندیدگی اور استحسان کا ایک لطیف شعور پیدا کر دیا ہوا تھا۔ جس نے مجھے خط عذار کے نمودار ہونے پر میرے ذہنی تصور کے مطابق میرے اندر تحریک کر کے ڈاڑھی رکھنے پر مجھے مستعد کر دیا تھا۔ یہاں ایک سوال بیچ میں آ جاتا ہے۔ وہ یہ کہ میرے ذہن میں ڈاڑھی مونڈی شکلوں کی صورت بھی موجود تھی۔ اس تصور نے میرے ذہن میں کیونکر ایک موافق اچھا شعور پیدا کر دیا۔ اور میں نے اس کے مطابق کیوں عمل کیا؟ اس کا جواب ظاہر ہے کہ میرے اس ذہنی تصور کے ساتھ جو اس کا ہم رفیق شعور پیدا ہوا تھا۔ وہ اچھا نہیں تھا۔ بلکہ سُنے سنائے اقوال اور روزمرہ کے دیکھے ہوئے بزرگ ریش دار شکلوں کے نظاروں کے ماتحت یہ شعور پیدا ہو گیا تھا۔ کہ ڈاڑھی مونڈی صورت اچھی بھلی نہیں ہوتی۔ اور فی الواقعہ بھی بھلی نہیں لگتی تھی بلکہ اگر ڈاڑھی مونڈا میرا ذہنی تصور خوبصورت بھی ہوتا تو بھی میں ہرگز نہ منڈواتا۔ کیونکہ اس تصور کے مناسب جو شعور تھا۔ وہ ریش دار تصور کے شعور حسن کے بالمقابل غلبہ کثرت کے بسبب بہت کمزور تھا۔ اس نکتہ کو ذرا یاد رکھیے۔ یہ ضروری نہیں۔ کہ ہر ایک اچھا ذہنی تصور بالمقابل اچھا نفسی شعور بھی پیدا کر دے۔ اور نہ ہی یہ ضروری ہے۔ کہ ہر ایک بُرا ذہنی تصور بالمقابل بُرا نفسی شعور بھی ہمیشہ پیدا کر دے۔ کسی شعور کے پیدا ہونے اور گھٹنے بڑھنے اور اس کے قوی اور راسخ ہونے میں دوسرے تصورات اور شاعر کے آپس کے باہمی تفاعل (تاثیر طرفین) اور کشمکش کا بھی بہت کچھ دخل ہے ❊

خیر یہ میرا تصور تھا۔ اور یہ میرا شعور تھا۔ جب میں بلاد مصر اور شام میں داخل ہوا۔ وہاں تو کایا ہی بالکل اور تھی۔ اس سے آپ سمجھ سکتے ہیں۔ کہ کیوں نہیں وہاں ڈاڑھی مونڈی شکلیں مکروہ نظر آئیں۔ اب آپ خود ہی اس قضیہ کو اُلٹا کر سمجھ سکتے ہیں۔ کہ میرے پہلے تصور نے اجتماعی تاثیر کے ماتحت کیسے آہستہ آہستہ پلٹا کھایا۔ اور میں نے کیوں ہندوستان میں واپس آ کر ریش دار صورتوں کو بھیانک پایا۔ اور باوجود اس عظیم ظاہری تغیر کے کیوں نہ میں نے وہاں اتنی مدت رہ کر اپنی ٹھوڑی کو تراشا۔ صرف اس لیے کہ جو شعور مجھ میں دارالامان کی سکونت و تربیت نے حالت لاشعوری میں پیدا کر دیا تھا۔ وہ ایسا قوی شعور تھا۔ کہ باوجود میرے ذہنی تصور کے متغیر ہونے کے میری عملی زندگی پر اس نے کوئی بُرا اثر پڑنے نہیں دیا۔ یہ میرا اپنا نفسی مطالعہ ہے جس کے بیان کرنے سے مجھے شرم نہیں۔ بلکہ فخر ہے۔ اور جب تک زندہ رہوں گا۔ میں اس بات کا فخر کرتا رہوں گا کے ساتھ کرتا رہوں گا۔ کہ ہمارے دارالامان کی نادرہ و مستحسن تربیت نے ہم میں نہ صرف یہی ایک قوی شعور پیدا کیا ہوا تھا۔ بلکہ اس کے سوا اور بھی ہمارے مشاعر کو کچھ ایسے طور و انداز پر بڑھایا تھا۔ کہ باوجود ایک فاسد محیط میں بودو باش رکھنے کے اور باوجود اس کے کہ اس کا اثر مجھے یہاں آ کر معلوم ہوا۔ کہ میرے تصورات پر بھی پڑا ہے (حالانکہ ہندوستان میں آنے سے پہلے مجھے یہی یقین تھا۔ کہ میں نے ان عربوں میں ایک عمدہ تاثیر پیدا کر دی ہے۔ اور میں ان سے بالکل متاثر نہیں ہوا) الحمد للہ کہ اخلاق اور دینی زندگی کی روش پر مخالفانہ محرکات کے ہوتے ہوئے بھی اس کا اثر نہ پڑ سکا۔ اور یہ محض اللہ تعالےٰ کا فضل تھا۔

اس سارے ماجرے سے میرا مقصد صرف یہ ہے۔ کہ انسان اپنے احساسات و تصورات و افکار و خیالات و مشاعر و حیات میں اپنے محیط کا بے بس تابع ہوتا ہے۔ اس کے محیط کا اثر مخفی طور پر لاشعوری کی حالت میں اس کی تکوین نفسانی پر ہر لحظہ پڑ رہا ہے۔ اُسے محسوس بھی نہیں ہوتا۔ کہ اس کے اندر کیا کیا آثار تغیرات جمع ہو رہے ہیں۔ اور اس کی آنکھ تب ہی جا کر کھلتی ہے۔ جب وہ جادۂ زندگی پر چلتے چلتے کسی ایسے بیرونی محرکات سے اس کا واسطہ آن پڑتا ہے۔ خواہ مدخرہ (مخزونہ) نفسی آثار میں ایک ہیجانی تحریک پیدا کر کے ان کے مجموعی اثر کو محسوسات میں یکایک ظاہر کر دیتا ہے۔ مجھے معلوم نہ تھا۔ کہ ڈاڑھی دار صورت بھی مجھے بھیانک معلوم ہوگی لیکن جونہی کہ ایک محیط سے نکل کر دوسرے محیط میں قسما قسم کے ریش دار صورتوں کو دیکھا۔ تب میری آنکھ کھلی کہ مجھ میں ایک ایسا ہی اثر پیدا ہو گیا ہے ❊

غرض عالم اجتماع انسان پر مختلف قسم کی نیک و بد تاثیریں ڈال رہا ہے۔ اور اسے بسا اوقات خبر بھی نہیں ہوتی۔ کہ کیا کچھ ہو رہا ہے۔ اسی واسطے ہمارے آقا سید البشر خاتم الانبیاء (فداہ نفسی) فرماتے ہیں۔ کہ میں ہر مجلس میں ستر بار استغفار پڑھتا ہوں۔ اللہ اللہ کیا عظیم الشان بصیرت اور معرفت تھی۔ جو آنحضور کو جناب باری سے عطا ہوئی۔ اور کیا ہی عظیم الشان ہادی ہے۔ جو اپنے عملی نمونہ سے ہمیں ایک نہایت دقیق اجتماعی نقطہ کی طرف توجہ دلاتا اور باریک در باریک اجتماعی مؤثرات کی تاثیروں سے ہوشیار رہنے کے لیے تنبیہ اور ہدایت

کرتا ہے۔ آنحضور کا ستر بار استغفار پڑھنا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ آپ مجلس میں کس بیداری اور ہوشیاری سے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ ادنیٰ سی تاثیر پر بھی آپ جو محسوس ہو کر اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے اور اس کا اندر ہی اندر مقابلہ کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جناب کو ایک نہایت ہی حساس فطرت عطا کی گئی تھی۔ کہ جو آئینہ کی طرح اجتماعی تاثیروں کو عیاں کر دیتی تھی۔ اور آنحضور ان کا فوری تدارک فرماتے تھے۔ اسی اجتماعی فلسفے کو ملحوظ رکھتے ہوئے قرآن حکیم ہمیں یہ حکم دیتا ہے۔ کونوا مع الصادقین یعنی زمرہ صادقین کے ساتھ رہو۔ عربی میں صادق صرف راست گو کو ہی نہیں کہتے۔ بلکہ تمام تصورات و افکار اور اعمال میں مستقیم انسان کو کہتے ہیں۔ اور زمرہ صادقین وہ مجتمع بشری ہے۔ جسمیں انسان اپنے نفس کی اصل حالت کا صحیح اندازہ لگا کر اسکی اصلاح کر سکتا ہے۔

اجتماعی مخفی تاثیروں کو معلوم کرنا اگرچہ بڑا مشکل کام ہے۔ ہر ایک اسے نہیں کر سکتا۔ لیکن اس کے لئے نہایت آسان علاج یہ ہے۔ کہ انسان صادقین کی صحبت کو اختیار کرے۔ اور بُروں کی صحبت سے بکلی اجتناب کرے۔ وہ خود بخود برے مؤثرات سے بہت کچھ نجات پا جائیگا۔

میرے محسن و مربی استاد۔ ہمارے خلیفۂ اوّل حکیم نورالدین رحمۃ اللہ علیہ ایک سنتی ہونہار نوجوان کا عجیب کا واقعہ بیان کیا کرتے تھے۔ اس نے آپ کو ایک دفعہ آکر بتلایا کہ اس کے دل میں دہریت کے خیالات پیدا ہونے لگے ہیں آپ نے اُسے فرمایا۔ جس بنچ پر تم بیٹھتے ہو۔ اسپر مت بیٹھو حکم کی تعمیل پر اس کے سب وساوس دُور ہو گئے۔ اور بعد میں اسے معلوم ہوا کہ اسی بنچ پر اس کے قریب ایک دہریہ خیال طالب علم بھی بیٹھا کرتا تھا۔ جس کے خواطر و خیالات اس کے ساتھیوں کے ذہنوں تک بھی پوشیدہ طور پر سرایت کرتے تھے۔ میں اس واقعہ کو سنکر کچھ تعجب کرتا تھا۔ لیکن اب اس میں مجھے ذرہ بھی شک نہیں رہا۔ یہ ایک ایسی اجتماعی حقیقت ہے۔ جس کو یاد رکھنا ہر ایک مسلم کا فرض دینی ہے۔ اگر وہ اپنے مولیٰ و رسول کے حکم کے ماتحت اسپر عملدرآمد نہیں کرتا۔ تو کم از کم اپنی جان پر رحم کر کے اسے بخوبی ملحوظ رکھے۔ آئے دن والدین

و مربی اپنے بچوں کے نالائق اور ناخلف ہونے کی شکایتیں کرتے ہیں۔ اور انہیں یہ علم نہیں۔ کہ ان کی جانوں پر ظلم کرنیوالے وہ خود ہی ہیں۔ انہوں نے ان کے بچپن کے زمانے میں اپنے کاذبانہ محبت کے جوش میں انہیں مادر پدر آزاد چھوڑا۔ ان کی چھوٹی چھوٹی حرکات و سکنات کا خیال نہ رکھا۔ ان کے سامنے خود اپنے اقوال و افعال کو عمدہ صورت میں نہ دکھلایا۔ ان کی صحبت و رفاقت پر نگہبان نہ ہوئے ان کی تعلیم و تربیت کے لئے عمدہ مدرسوں اور اُستادوں کو معمولی خرچ کی کمی بیشی کی وجہ سے نہ اختیار کیا۔ آخر اس غفلت ولاپرواہی کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ان کے تصورات بگڑ گئے۔ ان کے مشاعر فاسد ہو گئے۔ اور وہ خود خانہ برباد ہو گئے۔ میں اس اپنے مضمون کے اثناء میں اپنے احمدی احباب کو احمدی دارالعلوم کی طرف خاص توجہ دلاتا ہوں کہ وہ ہر حالت میں ان کی نسلوں کے لئے باعث رحمت ہے اور اس کے استاد ان کے بچوں کے لئے ان سے بڑھ کر محسن و مربی ہیں۔ اگر احمدی دارالعلوم میں کوئی نقص ہے۔ تو احمدی قوم کی توجہ سے ہی وہ دُور ہو سکتا ہے۔

معاف کیجئے۔ میں اپنے مضمون سے ذرہ باہر نکل گیا ہوں۔ اور ایک محققانہ پہلو چھوڑ کر واعظانہ پہلو اختیار کر لیا ہے۔ میں تصورات اور شعور پر بحث کر رہا تھا میں نے اب تک یہ بتلایا ہے۔ کہ ان کا باہمی تعلق کیا ہے اور ہمارے اعمال پر ان کی مجموعی تاثیر کہاں تک ہے ہم ابھی ہوش ہی نہیں سنبھالتے۔ اور جادۂ زندگی پر ابھی قدم ہی نہیں رکھتے۔ کہ ہماری اندرونی نفسی تکوین (بناوٹ) اپنے تصورات و مشاعر کے ساتھ پہلے ہی سے تیار ہو چکی ہوتی ہے۔ ہم جب آنکھ کھولتے ہیں۔ تو پہلے ہی سے اپنے آپ کو زندگی کے پانی میں جدوجہد کرتے ہوئے یا اس کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ بے بس بہتے ہوئے پاتے ہیں۔ ہم خود بخود ہی لاشعوری کی حالت میں جیسے جیسے بیرونی مؤثرات ہوں۔ ویسی ویسی استعدادیں اور قابلیتیں حاصل کرتے رہتے ہیں۔ اور جب ہم اپنی اخلاقی اجتماعی روش اختیار کرتے ہیں۔ تو اپنے ارادے سے نہیں۔ بلکہ دوسروں کے ارادے کے ماتحت اختیار کرتے ہیں۔ جیسا ہم سنتے ہیں۔ ویسا بولتے ہیں۔ جیسا دکھائے جاتے ہیں۔ ویسا دیکھتے ہیں۔ اگر ہمیں سیاہ کو سبز بتلایا جاتا۔ تو اس کو سبز ہی سمجھا کرتے۔ ہماری ساری ظاہری صورت و شکل قطع و برید، ڈول، بول چال وہ ہے۔ جو ہمارے لوگوں کی نظروں میں ٹھیک اور درست جچتی ہے۔ ہمارے اندرونی افکار و تصورات وہ ہیں۔ جو لوگوں نے ہمارے دلوں میں پھونک دئے۔ ہم اس بات کا خیال مطلقاً نہیں کرتے۔ کہ کیا کہنا چاہیئے۔ اور کیا کرنا چاہیئے۔ بلکہ سب سے پہلے اس کا خیال ہوتا ہے۔ کہ لوگوں کے کان اس کو کیسے سنینگے۔ اور ان کی آنکھیں کیسے دیکھیں گی۔ ہماری زندگی بالذات مستقل زندگی نہیں۔ بلکہ لوگوں کے دلوں اور زبانوں کانوں اور آنکھوں میں ایک مجسم دیوی کی شکل میں متمثل ہے۔ جس کی ہم پوجا کر رہے ہیں۔ اور جس کے رنگ روپ ہر نئے اجتماع میں مختلف ہیں۔ اجتماعی اعتبارات کی زندگی کوئی خاص مستقل وجود نہیں رکھتی۔ بلکہ ایک نہایت کثیر التعداد زائل ہونیوالے مظاہر میں ظہور کرتی رہتی ہے۔ ہر ایک قوم و فرقے کا ایک خاص علیحدہ تصور "چاہیئے نہ چاہیئے" ہے۔ جسپر کاربند ہونا وہ اپنا فرض مقدس سمجھتا ہے۔ (باقی آئندہ)

من نمیدانم مگر من عیسیٰ ثانی شدم

(ترانۂ دل نشین ملا معین الدین ہروی)

این منم یارب کہ اندر نور پنہانی شدم
مطلع انوار فیض ذات سبحانی شدم

ذرہ ذرہ از وجودم طالب دیدار گشت
تاکہ من مست از تجلی ہائے ربانی شدم

من چناں بیروں شدم از ظلمت ہستی خویش
تا ز نور ہستی او آں کہ ہستے دانی شدم

خلق مے گفتند کہ ایں رہ را بدشواری روند
اے عفاک اللہ کہ بارے من بآسانی شدم

دمبدم روح القدس اندر معینی مے دمد
من نمیدانم مگر من عیسیٰ ثانی شدم

منقول از تفسیر اسرار الفاتحہ ملا معین الدین ہروی
مطبوعہ نول کشور ۱۳۲۵ھ

خادم حسین

مظفر نگر میں امرتسری مکذّب

مُسلمانان مظفر نگر نے آخر اکتوبر میں ایک جلسہ پبلک وعظ کا منعقد کیا۔ جمیں مختلف واعظین حنفی شیعہ غیر مقلد کے وعظ ہوئے۔ ہر ایک واعظ اور مقرر نے اتفاق و اتحاد پر لمبی لمبی تقریریں کیں۔ اتحاد و اتفاق فی نفسہٖ نہایت عمدہ چیز ہے۔ اور مسلمانوں کو اس کی بہت ضرورت ہے مگر کسی واعظ اور لیکچرار نے یہ نہ بتایا۔ کہ اتحاد اور اتفاق مسلمانوں میں کیونکر ہو سکتا ہے۔ ان علماء میں کون ایسا پاک نفس ہے۔ جس کے ذریعہ یہ تپ دق کا مرض دور ہو سکے۔ افسوس اس حسرت کو سامعین اپنے ساتھ لے گئے۔ اوّلاً مولوی نظام الدین صاحب جھجری نے مُسلمانوں کی گری ہوئی حالت کا نقشہ پیش کرتے ہوئے اور اس زمانہ کے علماء۔ فضلاء واعظین کے مذموم کارنامے سناتے ہوئے بیان کیا۔ کہ انہوں نے ہی مسلمانوں کا بیڑہ غرق کیا ہے۔ علماءھم شر من تحت ادیم السماء کا مصداق ان مولویوں کو بتاتے ہوئے بہت سے قصے اور کہانیاں سُنائیں۔ منجملہ ان کے ایک واقعہ یہ بیان کیا کہ کسی غریب آدمی نے ایک مولوی صاحب کی دعوت کی۔ اور نہایت اخلاص اور محبت سے مولوی صاحب کے سامنے چنے کی روٹی اور چنے کا ساگ لایا۔ جس کو دیکھ کر مولوی صاحب بہت سٹپٹائے۔ اور ایک لقمہ بہ تکلف کھا کر کہا۔ کہ اے کم بخت یہ تو نے کیا غضب کیا۔ جو ہم کو اس قدر بڑھا دیا کہ نبیوں کے درجہ پر پہونچا دیا۔ یہ غذا تو انبیاء علیہم السلام کی ہے۔ بھلا ہم اس کو کب کھا سکتے ہیں۔ ہمارے لئے تو زردہ۔ پلاؤ اور قورمہ ہونا چاہیئے یہ کہہ کر مولوی صاحب اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور وہ غریب بیچارہ حیرت زدہ مایوس رہ گیا۔

پھر مولوی صاحب جھجری نے اپنے عقائد اس طرح بیان کئے۔ کہ اللہ تعالےٰ اپنی ذات اور صفات میں کامل ہو اس کی کوئی صفت کبھی وقت معطل نہیں ہوتی۔ دیکھو بعض دفعہ کی قوم کو کرباوجود اس کے کہ وہ اپنے قوائے تناسل کو بیکار کر دیتی ہے۔ مگر پھر بھی اللہ تعالےٰ اپنی قدرت کاملہ سے ان کی نسل قائم رکھتا ہے۔ تو بس جبکہ وہ پہلے سے ہی نبی۔ ولی۔ قطب۔ غوث اور ابدال پیدا کرتا چلا آیا ہے تو اس زمانہ میں بھی جبکہ دنیا حد درجہ گمراہی میں خدا سے دور جا پڑی ہے۔ کون امر اس کے لئے مانع ہوا۔ جو ایسے مبارک اور مقدس وجود پیدا ہونے موقوف ہو گئے یہ خیال غلط ہے۔ بلکہ اس زمانہ میں بہ نسبت زمانہ سابق کے سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

پھر مولوی باقر حسین صاحب لکھنوی کا وعظ ہوا۔ آپ شیعہ مذہب کے ہیں۔ سید صاحب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور صلاح الدین فاتح کے کارنامے سُنا کر مسلمانوں کے تنزل اور ادبار پر مرثیہ خوانی کی۔ اور خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے فریاد کی۔ کہ آپ نے ہمیں کیوں چھوڑ دیا۔ اگرچہ ہم بُرے ہیں۔ مگر آپ تو رحمۃ للعالمین ہیں۔ ہماری خبر لیں۔ اور آپ نے حاضرین کو تسلی اور دلاسہ دیا۔ کہ عنقریب تمہارے اقبال کا زمانہ آنے والا ہے۔ اور تم ترقی یافتہ قوم ہونیوالی ہو۔ مگر یہ کھول کر نہیں بیان فرمایا۔ کہ آسمان والے کے ذریعہ سے یا زمین والے صاحب الفخار نمودار ہونیوالے ہیں۔

میر صاحب جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ دوئم کی کامیابی اور فتوحات کو جو آپ کی خلافت حقہ کی صداقت کی ایک روشن دلیل ہے۔ فخریہ بیان کر رہے تھے۔ تو سامعین استعجاب سے دیکھتے تھے۔ اور خیال کرتے تھے۔ کہ یہ اس جلسہ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ہے۔ کہ ایک شیعہ مولوی۔ اور حضرت عمرؓ کے فضائل بیان کرے۔ مگر دانشمند خوب سمجھتے تھے۔ کہ یہ سب تقیہ کے کرشمے ہیں۔

پھر مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کھڑے ہوئے۔ اور حضرت مسیح موعودؑ کی "جمال و حسن قرآں نور جانِ ہر مسلماں ہے" پڑھ کر حاضرین سے مخاطب ہوئے۔ کہ اس نظم کو سُنکر آپ صاحبان نہایت محظوظ ہوئے ہونگے۔ یہ نظم ایک پنجابی نبی کی ہے۔ جو انہوں نے اپنی کتاب براہین احمدیہ میں قبل دعوےٰ نبوت شائع کی۔ ان سے میرا مباہلہ ہوا تھا۔ وہ انتقال کر گئے۔ اور میں اب تک زندہ موجود ہوں۔ اس لئے میں صادق ہوں۔ اور نعوذ باللہ مرزا صاحب کاذب ہیں۔

یہ مولوی صاحب امرتسری مکذب کے نام سے مشہور ہیں اور یہ سلسلہ احمدیہ کی وجہ سے ایسے ہی شہرت یافتہ ہیں جیسے نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں ابو جہل مشہور تھا۔ انہوں نے خدا کے قائم کردہ سلسلہ کی مخالفت اور معاندت میں اس سے کم حصہ نہیں لیا۔ بلکہ افترا پردازی اور لغو بیانی میں یہ اس سے بدرجہا بڑھے ہوئے ہیں اور جس طرح مسیلمہ کذاب کی زندگی میں حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم وفات فرما گئے۔ بجنسہٖ اسی طرح امرتسری مکذب کی زندگی میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام انتقال فرما گئے۔ اور جیسے حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات سے آپ کے صدق نبوت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدق دعاوی میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ بلکہ امرتسری مکذب کی قابل شرم زندگی نے حضرت مرزا صاحب کی صداقت پر مُہر کر دی۔ کیونکہ مولوی ثناء اللہ صاحب کا یہ مذہب ہے۔ جو انہوں نے اپنے اخبار اہلحدیث میں شائع کیا ہے۔ کہ خدا تعالےٰ جھوٹے دغاباز۔ مفسد اور نافرمان لوگوں کو لمبی عمریں دیا کرتا ہے اور بدکاروں کو خدا کی طرف سے مُہلت ملتی ہے۔ تاکہ اس مہلت میں وہ اور بھی بُرے کام کریں۔ اور اپنے اس بیان کی تائید آیات من کان فی الضلالۃ فلیمدد لہ الرحمٰن۔ انما نملی لھم لیزدادوا اثما۔ یمدھم فی طغیانھم یعمھون بل متعنا ھؤلاء وآباءھم حتی طال علیھم العمر سے پیش کیں۔ اور اپنے مرقع قادیانی میں لکھا کہ اگر جھوٹے کا سچے کی زندگی میں مرنا واقعی ضروری اور قانون الٰہی ہے۔ جیسا کہ آپ (مرزا صاحب) کی تحریرات سے ثابت ہوتا ہے۔ تو معاذ اللہ نقل کفر کفر نباشد۔ کیا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مسیلمہ کذاب سے پہلے انتقال فرمانے کے باعث اس حکم کے زیر اثر ہیں۔ امرتسری مکذب کی ان تحریرات سے ظاہر کہ آپ کا یہ ایمان اور اعتقاد تھا کہ جھوٹے کا سچے کی زندگی میں مرنا ضروری نہیں۔ بلکہ صادق کا کاذب کی زندگی میں انتقال کر جانا ضروری ہے۔ جیسے کہ وہ اپنے عقیدہ کی تائید میں آیات قرآنی اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم

کی وفات فرماتے اور مسیلمہ کذاب کے زندہ رہنے سے استدلال کرتے ہیں۔ برخلاف اپنے اس دین و ایمان کے جلسہ وعظ میں ان کا یہ بیان کرنا کہ چونکہ مرزا صاحب میری زندگی میں انتقال کر گئے۔ اس لئے میں صادق ہوں محض لغو اور جھوٹ اور اس کے عقیدہ اور ایمان کے خلاف ہے۔ اگر مولوی صاحب میں ایک ذرہ بھر بھی صداقت ہوتی۔ تو بلاخوف ملامت کے صاف صاف یہ بیان کرتے کہ مرزا صاحب کا انتقال فرمانا ایسا ہے۔ جیسا کہ نبی کریم ؐ کا انتقال اور مجھ مکذب ثناء اللہ کا زندہ رہنا ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ مسیلمہ کذاب کا زندہ رہنا مگر ایسا شخص کب سچائی سے پیار کر سکتا ہے۔ جس کو خدا تعالےٰ نے اس کے کہنے کے موافق زندہ رکھا۔ اور مہلت دی تاکہ وہ شرارت میں حد سے بڑھ جائے۔ اور گناہوں کو انبار در انبار اکٹھا کرے۔ اس سے پہلے کئی بدبختوں نے یہ نسخہ آزمایا۔ کہ جھوٹے سچے کی زندگی میں ہلاک ہو جاتے۔ ان کو خدا نے ذلیل و خوار کیا۔ اور سچے کے دیکھتے دیکھتے ہلاک ہوئے۔ لیکن جب ثناء اللہ نے ان لوگوں کے قول کے خلاف حضرت مرزا صاحب کے مقابلہ میں یہ کہا کہ جھوٹے کی لمبی عمر ہوتی ہے۔ پس خدا تعالےٰ نے سنوعلی الخرطوم کے موافق اس کو لمبی عمر دی۔ اور اس کی ناک پر داغ لگایا۔ اور اس کے زندہ رہنے نے اسی کے قول کے موافق اس کو جھوٹا۔ دغاباز۔ مفسد۔ نافرمان قرار دیا۔ اور حضرت اقدس کی سچائی ثابت کی۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ جو لوگ صراط مستقیم کو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ اور اس سے دور دہجور ہو جاتے ہیں۔ تو وہ کفر و الحاد کی ایسی تنگ و تاریک غار میں گر پڑتے ہیں۔ جس کو قرآن کریم نے اسفل السافلین بیان فرمایا ہے۔ پھر ان کو اس انکار اور استکبار کی دلدل سے نکلنا مشکل ہی نہیں۔ بلکہ محال ہو جاتا ہے۔ یہی حال اس زمانے کے مخالف علماء کا ہے۔ کہ انہوں نے صراط مستقیم کو چھوڑ کر اور اور صدہا قسم کی راہیں جو ضلالت اور گمراہی اور ذلت اور تباہی میں ڈالنے والی تھیں۔ اختیار کیں اسی لئے انکو حق سے دشمنی اور ناحق سے پیار اور نور سے نفرت اور ظلمت سے محبت ہو گئی ۔

مسلمانو! یاد رکھو۔ کہ کامیابی کی ایک ہی راہ ہے اور وہ یہ ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لاکر آپ کی پوری پوری متابعت کرو۔ ورنہ تم ان جلسوں اور وعظوں اور ان مولویوں کی پیروی سے ”او خویشتن گم است“ کے مصداق ہیں۔ ہرگز دین و دنیا میں فلاح و نجات حاصل نہیں کر سکتے۔ کوئی ہے۔ جو ہماری نصیحت پر کان دھرے ۔

خاکسار عبدالخالق سکرٹری انجمن احمدیہ مظفر نگر

وصایا کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کا ارشاد

مقبرہ بہشتی میں نعش دفن کرنے کے بارے میں حضرت مسیح موعود نے یہ ارشاد فرمایا ہے۔ کہ زندگی میں لوگ شرح صدر سے اپنی جائداد یا آمدنی کا کم از کم دسواں حصہ بغرض تبلیغ و اشاعت اسلام جو الصدر انجمن احمدیہ قادیان کریں۔ اور اس کے لئے لازمی ہے۔ کہ ایسا شخص متقی ہو۔ اور محرمات سے پرہیز کرتا اور کوئی شرک اور بدعت کا کام نہ کرتا ہو۔ سچا اور صاف مسلمان ہو۔

ایسی وصایا پر جو زندگی میں آویں۔ دفتری کارروائی کر کے باضابطہ صدر انجمن کی طرف سے ایک سرٹیفکیٹ جاری کیا جاتا ہے۔ جو وفات پر پیش کرنے سے نعش مقبرہ بہشتی میں دفن کی جاتی ہے۔ مگر ۲۸- نومبر ۱۹۱۹ء کو ایک ایسی وصیت قادیان میں بھنگالہ ضلع ہوشیارپور سے آئی ہے۔ جس نے اپنی مرض الموت میں وفات سے صرف تین چار روز قبل وصیت کی تھی۔ نہ وہ دفتر میں آئی۔ نہ اسپر کوئی کارروائی ہوئی بلکہ نعش کے ساتھ ہی وصیت آئی۔ چونکہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کی طرف سے مقبرہ بہشتی میں دفن کرنے کے لئے باقاعدہ کوئی اجازت نامہ نہ تھا۔ اس لئے اس وصیت کے بارے حضرت خلیفۃ المسیح سے استصواب کرنا ضروری تھا جسپر ذیل کا ارشاد فرمایا۔ جو احباب کی اطلاع کے لئے شائع کیا جاتا ہے۔

”وصیت کے متعلق میرے خیالات بہت سخت ہیں۔ اس کے متعلق جو کچھ پہلے ہوتا رہا ہے۔ اسپر عمل کیا جاوے۔ مگر میرے نزدیک وصیت مرض الموت کی درست نہیں۔ کیونکہ اسوقت انسان خواہ کسی ایمان کا ہو۔ موت کو قریب سمجھ کر مال کی قربانی کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ دوئم اس سے یہ نقص ہوتا ہے۔ کہ ایک شخص جو اڑھائی تین سو روپیہ تنخواہ پاتا رہتا ہے۔ اور دین کی خدمت سے غافل اور اس کی جائداد کوئی نہیں ہوتی۔ وہ ایسے وقت میں وصیت کر کے وصیت کے اصل مفہوم کے خلاف عمل کر کے وصیت کنندوں میں داخل ہو جاتا ہے۔ میرے نزدیک یہ بھی دیکھنا ضروری ہے۔ کہ ایک شخص کا گذارہ اس کی جائداد پر ہے۔ یا اس کی تنخواہ پر۔ اگر اصل چیز اس کی تنخواہ ہے۔ تو اسپر وصیت ہونی چاہیئے۔ ورنہ ایک جنسی بن جاویگی اسی طرح میرے نزدیک یہ دیکھنا ضروری ہے۔ کہ وہ شخص ظاہر طور پر کسی حکم شریعت کو توڑتا تو نہیں ظاہر کی شرط اس لئے ہے۔ کہ دل کا حال خدا جانتا ہے۔ پس میرے نزدیک جو داڑھی بھی منڈاتا ہے اس کی بھی وصیت جائز نہیں۔ کیونکہ شعار اسلام کی ہتک کرنیوالا ہے “

دستخط حضرت خلیفۃ المسیح ثانی

یہ اعلان جن لوگوں کے پاس پہونچے۔ وہ دوسروں تک پہنچاویں۔ سخت تاکید ہے۔ اور بتایا جاوے کہ وصایا جو مرض میں کی جاویگی۔ وہ قابل قبول نہ ہونگی۔

سید محمد اسحٰق۔ افسر مقبرہ بہشتی قادیان۔

اعلان نکاح

میاں محمد مغل ولد حسن ساکن کوٹ محمد یار۔ متصل پنڈی بھٹیاں کا نکاح ہاجرہ بی بی دختر مولوی خدا بخش صاحب ساکن الہ۔ تحصیل لودھراں ضلع ملتان سے بعوض دو صد روپیہ مہر پر مولوی سرور شاہ صاحب نے بتاریخ ۱۸- نومبر بعد نماز مغرب پڑھا۔ اللہ تعالیٰ جانبین کے لئے موجب برکت بنائے ۔

تصحیح

۴- دسمبر کے پرچہ میں دوسرے صفحہ کے پہلے کالم کی تیسری سطر جو آیت ہے اس کا ترجمہ یہ ہے۔ ” اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا۔“

ممالک غیر کی خبریں

ایک اور جنگ (برلن ۲۸ - نومبر) جرمنی او. لسٹھلینڈ کے درمیان باضابطہ جنگ شروع ہوگئی ہے

جرمنی میں قیدی (برسلز - ۲۸ - نومبر) ایک بلجین سپاہی معہ تین اتحادی قیدیوں کے نہایت ہی بُری حالت میں ہالینڈ پہونچا ہے۔ سپاہی کا بیان ہے کہ ابھی تک ہرٹز پہاڑ میں اتحادی قیدی جرمن ہاتھوں میں ہیں انہیں جنگ کے ختم ہونے کی خبر نہیں ؎

دارالامرا میں ایک خاتون (لنڈن ۲۸ - نومبر) لیڈی آسٹر نے پلائی متھ انتخاب میں کامیابی حاصل کی ہے - اور یکم دسمبر سے وہ پارلیمنٹ میں نشست اختیار کریگی - یہ پہلی عورت ہیں - جنہیں یہ عزت حاصل ہوئی ہے -

عطائے خطاب (لنڈن ۲۸ - نومبر) ملک معظم نے مسٹر جسٹس رولٹ کو کے سی - ایس آئی کا خطاب عطا فرمایا ہے -

صلح نامہ (لنڈن ۲۸ - نومبر) وزیر اعظم نے ایک تحریری سوال کے جواب میں کہا کہ چونکہ تا حال متعلقہ حکومت کا انتظام نہیں ہوا - اسواسطے غالباً صلح نامہ کی تصدیق کے تبادلہ کا سوال معرض التوا میں رہیگا - پیرس کا ایک اخبار خیال کرتا ہے - کہ ابھی جرمنی سے مجرمین جنگ اور جنگی جہازوں کی سکاپا فلو میں غرقابی کی بابت اور بہت سے نوٹ موصول ہونگے - سابق قیصر کے مقدمہ کا انتظام تا حال مکمل نہیں ہوا ؎

جرمن جنگی جہازوں کی تقسیم (پیرس ۲۸ - نومبر) سپریم کونسل نے جرمن جنگی جہازوں کی تقسیم کے متعلق قطعی فیصلہ نہیں کیا - لیکن قرار پایا ہے - کہ فرانس اور اٹلی پانچ پانچ ہلکے کروزر اور ۱۰ تارپیڈو کشتیاں حاصل کریں - اور ہر ایک اتحادی ایک ایک بڑا جنگی جہاز اور ایک ایک تارپیڈو کشتی لے - ایک سال کے اندر یہ سب تلف کردئے جائینگے ؎

مسئلہ ٹرکی (قسطنطنیہ ۲۰ - نومبر) کہا جاتا ہے - کہ سلطان حجاز اور باشندگان آذربائیجان کی طرف سے سیواس میں ڈیپوٹیشن آئے ہیں - جہاں ایک افغان وفد بھی آنے والا ہے - جو ایک کانگریس میں شریک ہونگے - جو پیرس میں سپریم کونسل سے اپیل کریگی - کہ سلطنت عثمانیہ کی خودمختاری بحال رکھی جائے - یہ اپیل ہندوستان کے مسلمانوں سے بھی کی جائیگی - ایک غیر مصدقہ خبر یہ بھی ہے کہ مصطفےٰ کامل پین اسلامزم تحریک پھیلانا چاہتا ہے

جرمن کے نوٹ بلجیم میں (برسلز ۲۹ - نومبر) بلجیم اور جرمنی کے مابین ایک اقرارنامہ طے ہوا ہے - کہ جس کی رُو سے جرمنی نے ذمہ لیا ہے - کہ ۶ ارب مارکس قیمت کے جرمن نوٹ جو جرمنی نے دوران قبضہ بلجیم میں جاری کئے تھے - اور جن کو گورنمنٹ بلجیم نے منسوخ کردیا ہے - بیس سال کے عرصہ میں ان کو تانہ کردیگا ؎

علاقہ حجاز میں جنگ کا امکان (لنڈن - ۲۸ - نومبر) آج وسط عرب کی سفارت انگلستان سے روانہ ہوئی - یہ سفارت بمبئی کے راستے عرب واپس جائیگی اور واپس ہونے سے پہلے جنگ کے میدانوں کو دیکھیگی شیخ فیصل انگلستان میں اپنے استقبال سے نہایت خوش ہو اور اس کے عم زاد بھائی ابن مسعود کا بیان ہے - کہ برطانوی حکومت نے شاہ حجاز کی ابن سعود سے ایک ملاقات تجویز کی ہے - تاکہ وہ ایک مشترک سرحد مقرر کی جائے - مگر شاہ حجاز اس پر متفق نہیں ہوتا - اور تاوقتیکہ برطانوی حکومت نے خاص فوجی انتظامات نہ کئے - یا علاقہ متنازعہ کی حدود مقرر نہ کی گئیں - تو جنگ کا دوبارہ چھڑ جانا یقینی ہے -

روزا لکسمبرگ کا قتل (برلن ۲۹ - نومبر) اخبار برلنر ڈیٹنگ کا نامہ نگار متعینہ ہنوور قمطراز ہے - کہ ایک شخص مسمی آٹو نے جو ہنوور میں کوچ کے نام سے بود و باش رکھتا ہے - روزا لکسمبرگ کے قتل کا اقرار کرلیا ہے - اور وہ گرفتار کرکے فوجی جیل میں بھیجدیا گیا ہے ؎

ہندوستان کی خبریں

فوجی گاڑی پٹڑی سے اتر گئی معلوم ہوا ہے کہ الیف ڈون فوجی سپیشل لائن توڑ دئے جانے کی وجہ سے گر گئی ہے - اسپر یکم دسمبر کو شام کے سوا پانچ بجے ہٹل اور درسمند کے درمیان چھاپہ مارنے والوں نے حملہ کیا - ۲۱ - آدمیوں کے مقتول اور ۴۰ کے زخمی ہونے کی خبر آئی ہے - ایک مددگار ٹرین مقتولوں اور مجروحوں کو اسی روز ہٹل واپس لائی - مزید تفصیلات ابھی موصول نہیں ہوئیں -

ایرانی قونصل جنرل کی پیرس کو روانگی سردار داؤد خاں ایرانی قونصل جنرل شاہ ایران کے شاف میں شامل ہونے کے لئے عنقریب دہلی سے پیرس کو روانہ ہونیوالے ہیں ؎

ایک یورپین ریلوے افسر کے خلاف مقدمہ یکم دسمبر کو مسٹر ایچ برنیر ڈسٹرکٹ سشن جج لاہور کے روبرو ایک دلچسپ مقدمہ شروع ہوا ہے - اس مقدمہ میں ملزم مسٹر سی ایچ ہمیر ڈونگر ڈسٹرکٹ ٹریفک سپرنٹنڈنٹ ملتان ڈویژن ہے - جس کا چالان زیر دفعہ ۱۶۱ تعزیرات ہند (رشوت ستانی) کیا گیا ہے - لالہ پنڈی داس پبلک پراسیکیوٹر منٹگمری سرکار کی طرف سے اور مسٹر عبداللہ اور مسٹر او کانر ملزم کی طرف سے پیروکار تھے - پیر کے روز مسٹر جیشولم اسسٹنٹ انسپکٹر جنرل ریلوے پولیس اور مسٹر آر وائینر کس ڈپٹی کمشنر منٹگمری کی شہادت قلمبند کی گئی - مقدمہ چل رہا ہے ؎

سر مائیکل اوڈوائر کی شہادت سُنا جاتا ہے کہ تحقیقاتی کمیٹی حکومت پنجاب کے چیف سکرٹری اور سر مائیکل اوڈوائر کی شہادت بند کمرے میں لیگی ؎

کانووکیشن پنجاب یونیورسٹی لاٹصاحب پنجاب نے ۲۰ - دسمبر کو مقامی تعطیل قرار دی ہے جو تمام دفاتر اور لاہور کی عدالتوں میں منائی جائیگی - یہ پنجاب یونیورسٹی کے کانووکیشن کی تعطیل ہے ؎

سرکاری کپڑا بننا بند ہوگیا گورنمنٹ ہند نے سٹینڈرڈ کلاتھ بنوانا بند کردیا ہے - اسواسطے یہ کپڑا

(باہتمام شیخ عبدالرحمن صاحب قادیانی پرنٹر و پبلشر ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھپکر مالکان کے لئے شائع ہوا)